انتخاب

فیروز شاہ تغلق

ڈاکٹر ایشور ٹوپا پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی کی تصنیف —— POLITICS IN PRE-MOUGHAL TIMES مطبوعہ ۱۹۳۸ء سے ماخوذ

فیروز شاہ تغلق نے حکمرانی میں اشوک کے اصولوں کو اختیار کیا تاکہ سیاست کے برُے اثرات زائل ہو کر عام لوگوں کی فلاح و بہبود کا ایک نیا معاشرتی اور سیاسی نظام قائم ہو جائے۔ اس کی حکمرانی کی بنیادی باتوں میں انسانیت کے اچھے پہلو زیادہ نمایاں کئے گئے۔ یعنی اس کی سیاست میں نرمی، لطف و کرم اور رحم دلی غالب رہی۔ اس نے اپنی بادشاہت کا اوّلین فرض یہ قرار دیا تھا کہ انسانوں کو غیر معمولی سزائیں نہ دی جائیں، اور ان کو غیر قانونی طور پر قتل نہ کیا جائے، اس کے عہد سلطنت میں انسانیت کو بہیمانہ قوتوں پر غلبہ حاصل ہوا۔ خود اس نے انسانوں کی خاطر سیاست کی تمام غیر منطقیانہ باتوں اور لاقانونیت کے خلاف جنگ اور ان کے پیدائشی حقوق کی حفاظت کی، اس طرح وہ اپنی رعایا کا سچّا محافظ بن گیا تھا۔ انسانی خدمت اور انسانی فلاح کا جو تخیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اسی کو اس نے عملی جامہ پہنایا۔ اس کی دلی خواہش ایک اسلامی ریاست قائم کرنے کی تھی۔ مگر اس کے ساتھ وہ ریاست کے اخلاقی اور ثقافتی عناصر کو بھی نمایاں کرنے کی فکر میں رہا۔ اس کی حکومت عملی اور نظری حیثیت سے اسلامی طرز کی تھی۔ مگر اس کی اصلی غرض و غایت رعایا کی فلاح و بہبود تھی۔

تمام امور اسلامی نقطۂ نظر سے طے پاتے تھے، لیکن ایسے تمام جبری قوانین ختم کر دیئے گئے تھے، جن سے لوگ پریشان اور عاجز تھے اور ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دے دیا گیا۔ اور اسلامی قوانین کے ذریعہ رعایا کی فلاح اور خوشحالی میں اضافہ کیا گیا۔ سیاست میں اسلامی اور اخلاقی روح پھونکی گئی اور سزائیں محض اس لئے دی جاتی تھیں کہ وہ اسلامی قوانین، جن سے فلاح ہوتی تھی برقرار رہیں۔ اور جو شخص ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا، اس کو کلام پاک اور قاضیوں کے فیصلے کے مطابق سزا دی جاتی۔

ریاست کی آمدنی بعض ایسے محصولوں سے بھی ہوتی تھی جو غیر اسلامی تھے، فیروز شاہ نے ایسے کل

ٹیکس بند کر دیئے جو تفریقی، غیر قانونی اور غیر منصفانہ تھے۔ اور صرف ان محصولوں کی آمدنی سرکاری خزانے میں لی جاتی تھی، جو شرعی اور فقہی قوانین کی رُو سے جائز تھے، اور اگر کوئی محصل غیر شرعی ٹیکس وصول کرتا، تو اس کو سزا دی جاتی تھی۔ اس کی حکومت میں آمدنی کے صرف چار ذرائع تھے۔

(۱) خراج (۲) زکوٰۃ (۳) جزیہ (۴) خمس

خراج اس ٹیکس کو کہتے تھے جو مسلمان اور ہندو مزارعین دونوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس ٹیکس میں کھیتوں کی پیداوار کا دسواں حصّہ لیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ صرف امیر مسلمانوں سے لی جاتی۔ اس کی رقم غریب مسلمانوں ہی پر صرف کی جاتی تھی۔

جزیہ اس ٹیکس کو کہتے، جو ریاست اپنی غیر مسلم رعایا سے اس خدمت کے معاوضہ میں وصول کرتی کہ وہ ہندوؤں کے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ جزیہ لینے کے بعد ریاست ذمہ دار ہوتی کہ کوئی ذمی کسی حیثیت سے بھی نہ ستایا جائے، اور وہ بالکل محفوظ و مصئون زندگی بسر کرے۔ اس کو سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا پورا حق حاصل ہو۔ اور وہ مذہبی اور معاشرتی مراسم کے ادا کرنے میں بالکل آزاد ہو۔ جزیہ لینے کے بعد اسلامی ریاست ہر طرح سے ذمیوں کی جان و مال کی نگہبانی کرتی تھی۔ اور اسلامی فوج جنگ کے موقع پر اور دوسرے موقعوں میں ان کی پوری حفاظت کرتی تھی، اور ایسا کرنا اس کے مذہبی فریضہ میں داخل تھا۔ ذمیوں سے جو روپیہ وصول کیا جاتا وہ گویا اس خون کی قیمت ہوتی جو مسلمان ان ذمیوں کی مدافعت میں بہاتے تھے۔ اگر کوئی اسلامی ریاست ذمیوں کی حفاظت کرنے سے قاصر ہو جاتی تو اس کو جزیہ وصول کرنے کا بھی حق نہ رہ جاتا۔ اسلامی تاریخوں میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ جب کوئی ریاست ذمیوں کی نگہبانی نہیں کر سکی ہے تو جزیہ کی رقم ان کو واپس کر دی گئی ہے۔ ذمیوں کو اپنی خواہش سے فوج میں داخل ہونے کا پورا حق حاصل تھا۔ لیکن جزیہ ادا کرنے کے بعد وہ جبری بھرتی سے مستثنیٰ کر دیئے جاتے تھے۔ لیکن اگر وہ اپنی مرضی سے فوج میں بھرتی ہو جاتے تو جزیہ معاف کر دیا جاتا۔

جزیہ ان بالغ مرد ذمیوں سے لیا جاتا جو جسمانی حیثیت سے تندرست اور دماغی اعتبار سے صحیح ہوتے اور جزیہ کی رقم ادا کرنے کی استطاعت بھی رکھتے۔ جزیہ ادا کرنے اور لینے میں باہمی سمجھوتہ بھی ہو جاتا تھا۔ جزیہ متمول طبقہ سے ۴۸ درہم، متوسط لوگوں سے ۲۴ درہم اور غریبوں سے ۱۲ درہم لیا جاتا تھا۔ بچے، بوڑھے، عورتیں، فاتر العقل، فقیر، اندھے، اپاہج اور راہب جزیہ سے مستثنیٰ تھے۔ البتہ دولت مند اندھوں، اپاہجوں اور راہبوں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ نقد اور جنس دونوں شکلوں میں ادا کیا جا سکتا ہے۔

مسلمان فقہا سیاسی ضروریات کے مطابق جزیہ کے معانی و مطالب میں ردّ و بدل کرتے رہے۔ اور وہ جزیہ کی اصلی غرض و غایت کو نظر انداز کرکے اس کو مسلم ریاست کے سیاسی مفاد کے لئے استعمال کرتے رہے تاکہ غیر مسلم رعایا بالکل اختیار اور قابو میں رہے۔ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ بعض فقہاء نے جزیہ کا غلط استعمال کیا۔ قاسم الغازی نے کلام پاک کے مفسروں پر سخت نکتہ چینی کی ہے، جنہوں نے کلام پاک کی آیت ۹ : ۲۹ کی عجیب و غریب تفسیر کرکے فضول گوئی سے کام لیا ہے۔ اور ان آیاتِ قرآنی کے متعصبانہ اور متشددانہ معانی بتائے ہیں۔ قاسم الغازی کا خیال ہے کہ ان آیاتِ قرآنی کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ذمیوں کو سیاسی، اقتصادی، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے تابع بناکر ان کو گری ہوئی حالت میں رکھا جائے۔ اسلام کے کسی قانون نے اس تشدد کی اجازت نہیں دی ہے، اگر کسی نے یہ تشدد کیا ہے تو اس کی ذمہ داری فقہا پر ہے۔[1]

ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ میں ہندو سرکاری اور فوجی ملازمتوں میں اسی طرح داخل ہو سکتے تھے، جس طرح مسلمان۔ فیروز شاہ سے پہلے تو شائد ہندوؤں پر جزیہ لگایا بھی نہیں گیا۔ اس زمانہ کی تاریخی کتابوں میں جزیہ کا لفظ بہت کم استعمال ہوا ہے۔ اگر یہ کہیں عائد بھی کیا گیا تو اسلامی قانون کے مطابق اس پر عمل نہیں ہوا، کیونکہ خالص اسلامی طرز کی ریاست ہی نہیں قائم ہوئی۔ فتوحات فیروز شاہی کے مطالعہ سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ سے پہلے کسی حکمران نے اسلامی روایات و قوانین کی پابندی نہیں۔ پورے ملک پر اسلامی قوانین کی جزئیات کا خیال کئے بغیر حکومت ہوتی رہی۔ سلاطین مسلمان ضرور تھے، لیکن ان کی حکومت نظری اور عملی دونوں حیثیت سے غیر اسلامی (سیکولر) تھی۔ حکمرانی کا ایک نظام ضرور قائم تھا لیکن اس کو اسلامی نظام نہیں کہا جا سکتا۔ بعض مسلمان سلاطین کی خواہش ضرور تھی کہ ان کی حکومت اسلامی طرز کی ہو، لیکن ان کی خواہش عمل میں اس لئے نہ آسکی کہ ان کے ذہن میں اسلامی حکومت کا واضح اور صاف تصور ہی موجود نہ تھا۔ پھر سیاسی حالات بھی کچھ ایسے پریشان کن رہے کہ وہ اسلامی طرز کی حکومت قائم نہ کرسکے۔

ازمنۂ وسطیٰ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فیروز شاہ نے حکومت اور حکمرانی کو اسلامی طرز کے مطابق بنانا چاہا۔ اسی لئے اس نے جزیہ عائد کیا۔ فتوحات فیروز شاہی میں ہے کہ ہندوؤں اور بت پرستوں نے ذمی کی حیثیت سے زرِ ذمّہ ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کی اور نئی حکومت نے ان کی حفاظت اور نگہبانی کی ذمہ داری لی اور

---

[1] مصنف نے اگرچہ بعض باتیں صحیح لکھی ہیں، لیکن فقہاء پر علی الاطلاق یہ حکم لگانا اور طرزِ تعبیر صحیح نہیں (مدیر)

ان کو مذہبی مراسم ادا کرنے کی پوری آزادی عطا کی۔ جزیہ کی رقم پہلے چالیس ٹنکا، بیس اور دس ٹنکے رکھی گئی تھی۔ پھر کم کر کے دس ٹنکے اور پچاس جیتل کر دی گئی۔

خمس کا اسلامی قانون یہ ہے کہ فتوحات کے مال غنیمت میں $\frac{1}{5}$ ریاست کا حق ہے اور $\frac{4}{5}$ فوجوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ فیروز شاہ نے حکم دیا کہ مالِ غنیمت میں سے ریاست صرف $\frac{1}{5}$ ہی حصہ لیا کرے۔

"فیروز شاہ حکومت" کی اسپرٹ میں رعایا کی حفاظت مضمر تھی، وہ رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا۔ اس کے اس جذبہ کا ایک بیّن ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ اس نے رعایا کو دو کروڑ ٹنکے کی معافی دی۔ سلطان محمد تغلق کے عہد میں ایک مرتبہ جب بڑی تباہی آئی تو حکومت کی طرف سے رعایا کو دو کروڑ ٹنکے قرض دیئے گئے۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں جب اس قرض کی وصولی کا سوال اٹھا تو معلوم ہوا کہ اگر یہ قرض وصول کیا گیا تو رعایا کی زبوں حالی اور بے چارگی اور زیادہ بڑھ جائے گی، اس لئے یہ کُل قرضہ معاف کر دیا گیا۔ اور رعایا کے اطمینان کے لئے قرض کے سارے کاغذات ان کے سامنے شاہراہِ عام پر جلا کر خاکستر کر دیئے گئے۔

امن پسند فیروز شاہ عوام کا نگہبان اور بہی خواہ ضرور تھا، لیکن اپنے مذہبی عقائد میں رجعت پسند تھا اس میں سلطان محمد تغلق کی طرح مذہبی رواداری نہ تھی۔ وہ اسلام کے راسخ العقیدہ گروہ کو پسند کرتا تھا۔ اس لئے مذہبی خیالات و اعتقادات میں آزادی کا قائل نہ تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ فیروز شاہ نے مذہب میں رجعت پسندانہ خیالات خود ہی اختیار کئے تھے یا علماء کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے اس کو مجبوراً یہ روش اختیار کرنا پڑی تھی، اتنا مسلّم ہے کہ فیروز شاہ کے ذہن و تخیل پر علماء بہت حاوی تھے۔ اس لئے اس کی بادشاہت بھی ان کے اثرات کی تابع رہی، مسلمانوں کے بدعتی گروہ کو بڑی سخت سزائیں دی گئیں۔ کیونکہ علماء کے نقطۂ نظر سے اس گروہ کے غیر اسلامی رسم و رواج کی وجہ سے اسلام کی بنیاد کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ جس مسلمان کے خیالات میں کفر یا گمراہی نظر آتی یا لوگوں کو الحاد و اباحت کی طرف مائل کرتا، یا خدائی اور پیغمبری کا دعویٰ کرتا یا بد اخلاقی اور ضلالت کی طرف رجحان رکھتا، اس کو غیر معمولی سزائیں دی جاتیں۔ چنانچہ گمراہ مذہبی پیشوا یا تو جلا وطن کر دیئے گئے یا علماء کے فیصلہ کے مطابق سولی پر چڑھا دیئے گئے، اور تمام ملحدانہ تحریریں جلا کر ضائع کر دی گئیں، کوئی فعل ایسا نہ ہونے دیا جاتا۔ جو اسلامی قوانین و روایات کے خلاف ہوتا۔ مسلمانوں کی مذہبی زندگی کی اصلاح ریاست کے نقطہ نظر سے کی گئی، ظاہر ہے کہ ہندوؤں کے بعض شعبہ ہائے

(باقی ص ۸۸ پر)